Democracy in Chaos

جمہوریت کی فکری وعملی الجھنیں

ڈاکٹر مستفیض احمد علوی*

(Analysis of the Modern Political View)

The real democracy is a goal to be achieved as yet. Its remarkable achievements after the age of enlightenment have blessed only the First World and the third world is in a chaos in this regard. Either they have not been able to flourish democracy or the democracy itself has disguised its manifestations.

The failure of liberal democracy on large scale raises the question that whether democracy is possible. The controversy about its clear-cut definition aggravates to the extent that democracy in the meaning of "the rule of people" is technically impossible.

The remedy has been sought out in the form of Indirect Democracy inspite of the fact that sovereignty can not be represented. Moreover, due to the financial and technical implications of electoral system, it has become unaffordable for the poor nations.

This is how the democracy is linked with capitalism and is suspected to be Western agenda with its imperialistic designs. The modern media has added oil to the fire; it influences public opinion through different techniques and one can not claim that one's opinion is one's own.

In addition, the certain pre-requisites for democracy, make it a singing bird of the spring season only. Under these conditions, the modern western political discourse has questioned the validity and ideological soundness of democratic theory of politics. It is need of the hour that the same view to be reviewed.

جدید سیاسی مفکرین کا کہنا ہے کہ دنیا میں کسی جگہ، اصل جمہوریت موجود نہیں ہے۔ کہیں جمہوریت کی تعریف متعین کرنے میں الجھنیں ہیں تو کہیں اس کے حقیقی تصور اپنانے میں مشکلات ۔ کہیں ریاستی نظام نے اس کی روح کو جکڑ رکھا ہے تو کہیں معاشی نظام نے۔ کہیں نظریہ جمہوریت خود اپنے نقائص

* صدر شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ خواتین WISH، رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی، اسلام آباد

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

کے بھنور میں الجھا ہے تو کہیں انتخابات کی سیاست اور سیاسی جماعتوں کی کھینچا تانی، جمہوریت کی کشتی کو گرداب میں لے آئی ہے۔لھذا، حقیقی جمہوریت کا خواب، جدید طرز ہائے حاکمیت اپنانے کے باوجود ،شرمندہءتعبیر نہیں ہو پارہا۔

آجکل دنیامیں جمہوری طرزحکومت،انتخابی جمہوریت(Electoral Democracy) کی ایک شکل (Model) میں موجود ہے جو خاص طورمغرب کی نشاۃ جدید (Renaissance) یعنی سولہویں صدی عیسوی کے بعد کے دور میں معرض وجود میں آیا۔ یہ طرزحکومت،مغرب نے،قدیم (خصوصاً قرون وسطیٰ کی) مطلق العنان بادشاہت (Monarchy) کے ردعمل میں،عوام الناس کی طاقت کے اظہار کے طور پر اپنایا۔لھذا (سترہویں صدی ومابعد دور کے) جدید یورپ کا پسندیدہ یہ طرزحکومت، بنیادی طور پر جمہوریت کا ایک 'مغربی ماڈل'(Western Model) ہے جو لبرل ڈیما کریسی(Liberal Democracy) کے نام سے جانا جاتا ہے۔

لبرل ڈیما کریسی کی اصطلاح ، بیسویں صدی کے آخر میں عام ہوئی۔اشترا کی فلسفے کے تصور،سماجی جمہوریت(Social Democracy) کے مقابلے میں،ایسی جمہوریت کو لبرل جمہوریت قرار دیا گیا جسکے تحت کسی ریاستی آئین میں افرادمعاشرہ کے انفرادی حقوق کی ضمانت مہیا کی گئی ہو۔نظام حکومت، بھلے صدارتی ہو(جیسے امریکہ میں)، پارلیمانی ہو(جیسے بھارت میں) یا آئینی بادشاہت (جیسے کہ برطانیہ میں) ،فرد کی آزادی محفوظ ہے اور اسکے انفرادی حقوق کی ضمانت میسر ہے تو ایسی جمہوریت لبرل ڈیما کریسی کہلائے گی۔

سیاسی وسماجی پہلوؤں سے دیکھا جائے تو یورپی نشاۃ جدیدہ(Renaissance) کے نتیجے میں،مغربی فکر میں دو اہم تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔پہلی تبدیلی معاشی آزادی کا نظریہ(Liberalism) تھا جس نے معاشی نظام میں انقلاب برپا کیا اور اسکے نتیجے میں یوروپی قومیں جاگیرداری کے چنگل سے نکل کر جدید نظام سرمایہ داری (Capitalism) سے ہمکنار ہوئیں۔دوسری تبدیلی تھی فرد کی خودمختاری (Individual Autonomy) کا تصور،جس نے سیاسی وسماجی زندگی میں ہلچل مچادی اور مغربی معاشرے مطلق العنانیت کے دور سے نکل کر جدید جمہوریت (Democracy) کے نظام سیاست وحکومت سے آشنا ہوئے۔

اس میں شک نہیں کہ جمہوریت،کامیابیوں کے جھنڈے گاڑ رہی ہے مگران کامیابیوں کی جلو میں کچھ ادھورے خواب اور کچھ نامکمل تعبیریں بھی سفر میں ہیں۔ یہ تلخ حقائق کچھ چبھتے سوالوں کیصورت میں سامنے

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

آ رہے ہیں۔مثلاً یہ کہ کیا جمہوریت ،افراد معاشرہ کی محرومیاں ختم کرنے میں کامیاب ہورہی ہے؟ کیا اس طرز حاکمیت کے ذریعے،تمیز بندہ وآ قا کا استیصالی نظام ختم ہو گیا؟ کیا فرداورریاست یا معاشرےاورحکومت کے درمیان حائل فاصلوں کی خلیج مٹ گئی ؟ کیا مذہب اور ریاست کے پیچیدہ تعلقات کا رسلجھ گئے ہیں؟۔۔۔ظاہر ہے کہ ان سوالوں کا جواب ہاں میں دینا مشکل ہے۔لہٰذا،جمہوریت کی یہی نا کامیاں،اسے وقت کا مسیحا ثابت کرنے میں رکاوٹ بن گئی ہیں۔

جمہوریت کا اصل مفہوم کیا ہے؟

جمہوریت کو سمجھنے میں پہلی مشکل یہی پیش آتی ہے۔جہاں تک اس لفظ کے لغوی معنوں کا تعلق ہے،کوئی واضح اختلاف نظر نہیں آ تا،البتہ اس سلسلے میں کچھ مغالطے نظر آ تے ہیں جنکی نشاندہی آ گے چل کے کی جائیگی۔مسئلہ سارا جمہوریت کی اصطلاحی تعریف اورفکری پس منظر کو سمجھنے کا ہے،جسکی بحث ہم بعد میں شروع کرتے ہیں۔پہلے لفظ جمہوریت اور ڈیما کریسی کا تجزیہ کرتے ہیں۔

اردوزبان میں جمہوریت کا لفظ اپنے عربی ماخذ الجمہور کے لغوی مفہوم کی بنیاد پر معروف ہوا ہے۔عربی لغت کے ماہرین کی آراء سے واضح ہوتا ہے کہ جمہور کا مادہ جمہر ہے،جس کے ایک معنیٰ ہیں کثرت اور دوسرے ہیں ممتاز۔(۱) لسان العرب میں ہے کہ یہ لفظ جب قوم کے ساتھ آئے تو اس سے مراد ہوتا ہے اس قوم کی ممتاز اکثریت:و الجمهور من الناس: جلهم و أشرافهم. و هذا قول الجمهور. (۲)
گویا انسانوں کے حوالے سے جب یہ لفظ استعمال ہوتو اس سے مرادعوام الناس یا ان کے معززین کی اکثریت ہوتی ہے۔اسی مفہوم کے پیش نظر کتب اسلامی میں جمہور کا لفظ کثرت سے استعمال ہوتا ہے(۳) جس سے مراد'معتبر علماء کی اکثریت'ہوتا ہے۔جیسا کہ مندرجہ بالا عبارت کے الفاظ: وھذا قول الجمھو رسے ظاہر ہے۔

لفظ جمہور کے آخر میں یائے نسبتی کے اضافے سے اس کے معنیٰ المنسوب الی الجمھور کے ہو جاتے ہیں۔یعنی اکثریت کی چیز کو جمہوری کہا جائے گا۔اسی لفظ جمہوری کی مؤنث جمھوریۃ بیان کی گئی ہے۔اردو زبان میں اس لفظ کے بعینہٖ یہی معنی مستعمل ہیں۔(۴)

ماہرین سیاسیات کی تحقیق کے مطابق لفظ Democracy انگریزی زبان میں سولہویں صدی عیسوی میں فرانسیسی سے آیا،جب کہ یہ اپنی اصل کے لحاظ سے یونانی زبان کے الفاظ'ڈیماس'Demos (یعنی لوگ) اور'کراتوس'Kratos (یعنی طاقت) سے ماخوذ ہے۔یہ اصطلاح مطلق العنان بادشاہت کے مقابلے میں

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

استعمال ہوتی ہے اور اس کا مفہوم 'عوام الناس کی طاقت' ہے۔(۵) گویا اس لفظ کے لغوی مفہوم میں طرز حاکمیت(Form of Government) سے زیادہ قوت حاکمیت پر زور ہے۔

فکری اعتبار سے جمہوریت، یونان سے منسلک کی جاتی ہے۔مغربی مفکرین کے بقول،معلوم ومرقوم تاریخ انسانی کے مطابق، جمہوریت کی ایک دھندلی سی جھلک قدیم یونانی ریاستوں میں ہی نظر آتی ہے۔(۶)

یہاں ایک مشکل درپیش ہے۔مغربی مفکرین سیاست، جمہوریت کو بطور نظام حکومت، یونان سے مستعار لینے کی بات کرتے ہیں جبکہ خود یونانی مفکرین جمہوریت کو بطور طرز حکومت کے پسند نہیں کرتے تھے۔اگر وہ جمہوریت کو ایک طرز حکومت کے طور پہ قبول کرتے تو ڈیماکریسی کے بجائے 'ڈیمارکی' Demarchy کی اصطلاح عام ہوتی کیونکہ یونانی زبان میں،عوامی حکومت کے متضاد آمرانہ طرز حکومت کومونارکی Monarhy کہا جاتا ہے یعنی اس کا لاحقہ 'آرکی' Archy- آتا ہے۔یہ لاحقہ یونانی لفظ 'آرکاس' Arkhos سے ماخوذ ہے،جسکے معنی سردار اور حاکم کے ہیں۔ڈیماکریسی Democracy میں 'کریسی' c racy- کا لاحقہ،یونانی لفظ 'کراٹوس' Kratos سے ماخوذ ہے اور اس لفظ کے بنیادی معنی 'طاقت وقوت' کے ہیں،اور حقیقت یہ ہے کہ ایک بھی قابل ذکر فلسفی 'عوامی طاقت وقوت کی حاکمیت' کے تصور کا حامی نہیں ملتا۔لطف کی بات یہ ہے کہ علم سیاسیات میں ڈیمارکی Demarchy کی اصطلاح موجود ہے اور ایسی جمہوریت کیلیے استعمال ہوتی ہے جسمیں الیکشن یا ووٹ نہیں ہوتا(۷) اور قدیم یونان میں اگر کوئی 'جمہوریت' موجود تھی تو وہ بغیر الیکشن کے تھی نا کہ انتخابی جمہوریت۔لہٰذا جدید جمہوری فلسفے کو یونانی فکر سے ماخوذ قرار نہیں دیا جاسکتا۔

یونانی جمہوریت کو موجودہ انتخابی جمہوریت کے مساوی اور ہمزاد کہنے کا مغالطہ،مغرب میں تیرہویں صدی سے شروع ہوا جب یونانی فلسفے کے ترجمے یوروپی زبانوں میں ہوئے اور قدیم یونانی ریاستوں کے سیاسی نظام کی وضاحت کے ضمن میں، جمہوریت کا لفظ استعمال ہونا شروع ہوا۔یہ وہ دور ہے جب خود یورپ میں جمہوری اداروں (مثلاً پارلیمنٹ) کا فروغ ہوا۔جمہوری اداروں کا یہ ارتقاء یونانی اور رومی طرز ہائے حکومت کے امتزاج سے عبارت تھا جس نے یورپ کی قومی ریاستوں میں موجود،روایتی بادشاہت سے ابھی مکمل نجات حاصل نہیں کی تھی۔فکر وفلسفہ کے لحاظ سے یہ معاشرے یونان کے زیراثر تھے مگر سیاسی اور قانونی حوالوں سے یہ ریاستیں رومی ثقافت اور سماج کی ایک دوسری شکل تھیں۔

اس پس منظر میں تیرھویں صدی عیسوی کے وسط میں ولیم آف مور بکے (۸) William of

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

Moerbeke نے ، یونانی زبان میں ارسطو کی کتاب پالیٹیکے Politike کا ترجمہ لاطینی زبان میں کیا۔اس کتاب(۹) میں عوامی حکومت کیلئے ارسطو کے استعمال شدہ لفظ کا متبادل (یا ترجمہ) لاطینی میں 'Demokratia' استعمال کیا گیا اور یہی لفظ بعد میں Democracy کی صورت میں انگریزی زبان میں رائج ومقبول ہوگیا۔(۱۰)

'ڈیماکریٹیا' (Demakratia) دراصل براہ راست جمہوریت، جسے خالص جمہوریت (Pure/ Direct Democracy) کہا جاتا ہے، کیلئے استعمال ہوا ہے نا کہ جدید جمہوریت کیلئے جو انتخابات کے ذریعے چنے گئے نمائندوں کی صورت، اسمبلی کی شکل میں رو بہ عمل ہوتی ہے اور جسے بالواسطہ جمہوریت (Indirect Democracy) کہا جاتا ہے۔

ڈیماکریٹیا کی اصطلاح ، پانچویں صدی قبل مسیح کے دور میں، یونانی ریاست ایتھنز Athens کی مخصوص حکومت کے لیے مستعمل تھی۔ایتھنز کی اس جمہوریت میں بیس سال کی عمر کے تمام مرد شہری فیصلہ سازی میں شریک ہو سکتے تھے، جبکہ عورتیں اور غلام یعنی آبادی کا تین چوتھائی حصہ شہری کہلانے اور حکومت میں شامل ہونے کا حقدار نہیں تھا۔یہ حکومت براہ راست شرکت'عوام' کی ایک شکل تھی مگر انتخابی نظام Electroral System کے بغیر۔لھٰذا عوامی حاکیت جو انارکی کے ردعمل یا نتیجے کے طور پر معرض وجود میں آتی ہے وہ 'عوام کی رضامندی سے قائم ہونے والی جدید انتخابی جمہوری حکومت' سے مختلف چیز ہے جس کے لیے'ڈیماکریسی' کا لفظ استعمال کرنا درست نہیں ہے۔

ڈیمارکیٹیا کا متبادل، اپنے صحیح مفہوم کے لحاظ سے ڈیمارکی Demarchy بنتا ہے نا کہ ڈیماکریسی۔مگر یہ ایک مغالطہ آمیز حقیقت ہے کہ مغرب کے تقریباً تمام قابل ذکر سیاسی مفکرین نے ڈیماکریٹیا کا ترجمہ ڈیماکریسی Democracy ہی کیا ہے، جس سے ایک طرف یہ مغالطہ پیدا ہوا کہ جدید جمہوری نظام قدیم یونانی جمہوریت کی ترقی یافتہ شکل ہے اور دوسری غلط فہمی یہ پیدا کی گئی کہ افلاطون اور ارسطو جب عوامی حکومت کی بات کرتے ہیں تو اس سے مراد مغرب کی جدید جمہوریت ہوتی ہے، جبکہ یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ یونانی مفکرین (خصوصاً) کبھی عوامی انتخابی جمہوریت یعنی ڈیماکریسی کے حق میں نہیں تھے بلکہ انہوں نے اس تصور کی مخالفت کی۔ستم یہ ہے کہ یہ بات خود مغربی ماہرین سیاسیات بار بار بیان کرتے ہیں۔مثال کے طور پر، جدید سیاسی مفکر جارج سبائین George Sabine نے بیان کیا ہے کہ ارسطو کے سیاسی فلسفے کے مطابق اچھی قسم کی حکومتیں تین طرح کی ہوتی ہیں:

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

۱۔ بادشاہت (Monarchy) ۲۔ اشرافیہ (Aristocracy) ۳۔عوامیت(Polity) یعنی Politei'a جسے وہ سب سے اعلیٰ اور مثالی قرار دیتا ہے۔۔اسکے بیان کے مطابق یہ تینوں جب بگڑتی ہیں تو صورتحال یہ بنتی ہے کہ بادشاہت، جبریت (Tyranny) میں تبدیل ہو جاتی ہے۔اشرافیہ،مطلق العنانیت (Oligaricy) میں جبکہ عوامیت،ہجوم کی حاکمیت (Democracy) میں۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ ارسطو کے خیال میں ،عوام کی حکومت میں شراکت، اجتماعی نمائندگی کے اصول کی بنیاد پر ہو تو یہ حکومت کی ایک اچھی صورت Politeia ہو گی اور اگر یہ جمہور کی طاقت کا روپ دھار لے تو ایک بری صورت Democracy ہوگی۔(۱۱)

یاد رہے کہ ارسطو یہاں آئینی اور دستوری حیثیت سے حکومتوں کے اچھے اور برے ہونے کی صورت بیان کر رہا ہے جسکے مطابق کسی معاشرے میں اگر آئین کی عملداری حکومت کے ہاتھوں، صحیح طور پر انجام نہ پا رہی ہو تو عوام آگے بڑھ کے اقتدار اپنے ہاتھوں میں لے لیتے ہیں۔عوام کا خود حکومت ہاتھ میں لینا بے شک جمہوریت کہلاتا ہے، مگر یہ صورت، ارسطو کے نقطہ نظر سے مثالی صورت نہیں ہے، وہ عوام کی اقتدار پر اجتماعی اجارہ داری کو بگڑی ہوئی حکومت قرار دیتا ہے۔

لطف یہ ہے کہ خود ولیم مور نے، جس کے ترجمے سے ایک غلط مفہوم عام ہو گیا ہے، نے عوامی حکومت کے لیے ڈیماکریٹیا کا لفظ استعمال کیا تو اسکی نظر ایسی جمہوری حکومت پر نہیں تھی جو عوام الناس کی اکثریت کی بنیاد پر قائم ہو بلکہ ایسی حکومت جو غرباء کے مفادات کی رکھوالی کرنے والی ہو۔دوسرے لفظوں میں ارسطو کی نظر میں حکومت کی آئینی حیثیت زیادہ اہم تھی اور ولیم کی نظر میں اسکی عملی افادیت زیادہ اہم تھی۔اسی لیئے اس نے ڈیماکریٹیا کی درج ذیل تعریف کی تھی:

> A form of government which is conducted for the benefit of
>
> the poor rather than in the public interest.(12)

یہاں غور کریں تو جمہوریت کی تعریف میں ایک اور تبدیلی داخل ہوگئی اور وہ یہ کہ جمہوریت غرباء کے لیے قائم ہونے والی حکومت کا نام ہے، نا کہ محض عوام کی اکثریت کی رضامندی کسی نہ کسی طریقے سے حاصل کر کے حکومت بنا لینے کا نام۔یاد رہے کہ جمہوریت کو غرباء کی حکومت سمجھنا بھی صرف ولیم کی تعریف میں بیان ہوا ہے کسی اور قدیم وجدید سیاسی مفکر کے ہاں ہمیں یہ تصور نہیں ملتا۔گویا یہ تصور جمہوریت کی تعریف میں خلط مبحث پیدا کرتا ہے۔

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

اسی طرح کا ایک اور غلط فہمی ڈیما کریسی(Democracy) اور ری پبلیک (Republic) کو ایک ہی مفہوم میں استعمال کرنے سے پیدا ہوئی ہے۔ یہ دونوں الفاظ، افلاطون (Plato) کی اصطلاح Politei'a کے لاطینی اور انگریزی مترادفات کے طور پر استعمال کئے گئے۔ 'ری پبلک' کا لفظ انگریزی زبان میں لاطینی لفظ res publica (۱۳) سے لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں 'عوام کے معاملات'۔ آج کے دور میں ری پبلک سے مراد ایسا طرز حکومت ہے جو مطلق العنان بادشاہت کے مقابلے میں، عوام کی اقتدار میں شراکت کے تصور پر مبنی ہے ۔(۱۴) جدید مغرب میں یہ لفظ معروف سیاسی مفکر میکیاولی (Machiavelli 1469-1527) نے اپنی مشہور کتاب The Prince میں اسی مفہوم میں استعمال کیا ہے۔لیکن اس لفظ کو مغربی سیاسی فکر میں عام کرنے میں بنیادی کردار لیونارڈ برونی (Leonard Bruni 1369-1444) کا ہے جس نے اس لفظ کو افلاطون اور ارسطو کی کتابوں کے تراجم کرتے ہوئے ، یونانی اصطلاح Politie'a کے متبادل کے طور پر استعمال کیا۔اس نے ان دو الفاظ میں مماثلت کا تصور دراصل ، پہلی صدی عیسوی قبل مسیح کے رومی مفکر سسرو(Cicero) سے لیا تھا جس نے سب سے پہلے یونانی لفظ (پالی ٹآیا) politei'a کو لاطینی میں ریپبلک res publica کے مترادف کے طور پر استعمال کیا۔(۱۵) اسطرح مغربی جمہوریت کے تصور میں ایک اور ابہام کا اضافہ کردیا۔

ری پبلک Republic دراصل ایسی سیاسی اکائی یا شہری ریاست کو کہتے ہیں جس میں سربراہی ایک فرد کو حاصل ہوتی ہے مگر اسکی حاکیت بادشاہ کی طرح مطلق العنان نہیں ہوتی بلکہ حکومت، شہریوں کی ایک کونسل کے ذریعے روبہ عمل ہوتی ہے۔جبکہ یونانی اصطلاح پالی ٹآیا politei'a (۱۶) ایسی سیاسی اکائی یا شہری ریاست کے لیے استعمال ہوتی ہے جسمیں شہریوں کی اپنی، آئینی طور پے منظّم، حکومت ہو۔ایسی حکومت جس میں شہری براہ راست فیصلوں میں شریک ہوں اور آئین کی سربراہی ہو۔ظاہر ہے ایسی صورت میں دونوں اصطلاحات کو مترادف قرار دینا، ایک مغالطہ تھا۔اس سے بڑی غلطی وہاں ہوئی جب ریپبلک کو ڈیما کریسی کا متبادل سمجھا گیا درآں حالیکہ اپنے لغوی اور اصطلاحی مفہوم میں، یہ دونوں الفاظ مختلف ہیں۔

جمہوریت کی حقیقی روح کیا ہے؟

الفارابی نے اپنی مشہور کتاب آراء اہل المدینة الفاضلة میں افلاطون(Plato) کے سیاسی افکار کی وضاحت کرتے ہوئے شہری ریاست کے لئے عربی کا متبادل لفظ مدینہ استعمال کیا ہے جبکہ جمہوری معاشرے کے لئے مدينة الجماعية کی ترکیب استعمال کی ہے۔فارابی نے ایسے معاشرے کو جمہوری معاشرہ قرار دیا

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

ہے جسکے افراد، ارادہ واختیار کی آزادی سے بہرہ مند ہوں: مدينة الجماعية، هي التي قصد أهلها أن يكونوا أحرارا، يعمل كل واحد منهم ما شاء۔(۱۷)

سیاق وسباق کو سامنے رکھیں تو، الجماعیہ، یہاں عوام (شہری آبادی) کیلیے استعمال ہوا ہے، اور مدینہ (شہری) ریاست کے لیے۔ گویا، الفارابی نے، افلاطون کی طرف سے استعمال شدہ لفظ Politei'a کا موزوں ترین الفاظ میں ترجمہ کیا۔ الجماعیہ کا انگریزی ترجمہ Community اور مدینہ کا انگریزی متبادل City State بنتا ہے۔ لہٰذا، مدينة الجماعية سے مراد ہوگی ایسی شہری ریاست جس کا نظم مملکت اجتماعیت کے پاس ہو۔ اس سے لازمی طور پر جدید جمہوریت یا ڈیما کریسی مراد لینا خلط مبحث پیدا کرتا ہے۔ اس لیے بھی کہ افلاطون نے عوامی طاقت کے زور پر قائم ہونے والی جمہوریت کی مخالفت کی ہے۔ مگر ستم یہ ہوا ہے کہ مشہور سیاسی مفکر، روزینتھال (Roscenthal) نے اسلامی سیاسی فلسفے کے تعارف پر مبنی، اپنی معروف کتاب میں، فارابی کے اس لفظ کو Democracy کے ہم معنیٰ کے طور پر لیا ہے۔ اس مغالطے کی وجہ، اس کے ذہن میں پہلے سے موجود یہ تصور تھا کہ جدید مغربی جمہوریت، قدیم یونانی جمہوریت ہی کا پرتو ہے، اس لیے وہ افلاطون کی اصطلاح کے، فارابی کیطرف سے کیے گئے حقیقی ترجمہ مدينة الجماعية کو بھی ڈیما کریسی کے مترادف قرا دے دیتا ہے، اس طرح وہ جمہوریت کی تعریف میں دو مختلف مفاہیم داخل کر دیتا ہے، وہ لکھتا ہے:

> Democracy (Madina Jamia'iya) is marked by the freedom of its citizens to do as they please.(18)

یاد رہے کہ یونانی زبان میں افلاطون (Plato) کی کتاب Politie'a، جو چوتھی صدی قبل مسیح میں لکھی گئی، موجودہ جمہوریت سے متعلق نہیں تھی اور نہ ہی افلاطون اس طرح کی جمہوریت کا کبھی قائل رہا۔ افلاطون نے اس کتاب میں سقراط کے وہ مکالمے سلسلہ وار لکھے ہیں جن میں سیاسی فلسفہ اور انصاف کے بنیادی تصورات پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اسی سلسلہ میں مطلوب طرز حکومت کے خدوخال بیان کیے گئے ہیں۔ لہٰذا، اس کی کتاب کا موضوع یونان کی شہری ریاستوں کا نظم مملکت تھا، نا کہ جدید مغربی جمہوریت!

سیاسی تاریخ کا تجزیہ ظاہر کرتا ہے کہ جمہوریت اپنے ارتقائی مراحل میں جس شکل سے گذرتی رہی اسی حوالے سی اسکی مختلف تعریفیں اور نام بنائے جاتے رہے۔ گویا جمہوریت کے ارتقاء کا سفر خود جمہوریت کے مفہوم میں تبدیلیوں کا باعث بنتا رہا۔ مختلف قوموں کے معاشرتی ومعاشی حالات نے ہر معاشرے کے اپنے

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

خاص مزاج کے مطابق عوامی شرکت کے جس نظام حکومت کو بھی اختیار کیا وہ وہاں کی جمہوریت کہلایا۔اس معاشرے کے سوچنے سمجھنے والے دماغ، جمہوریت کے اسی ماڈل کی خصوصیات کو اصل جمہوریت کے خدوخال کے طور پر شمار کرنے لگے۔حتیٰ کہ آج جب جمہوریت کی کوئی جامع تعریف کرنے لگے تو اسکے سامنے کئی عکس نمایاں ہو جاتے ہیں جنھیں وہ چند الفاظ میں مقید کرنے کو ناممکن محسوس کرنے لگتا ہے۔لھذا جمہوریت کی تعریف بذات خود ایک مشکل کام بن جاتی ہے۔اس پس منظر میں جدید سیاسی مفکر یہ سمجھنے میں حق بجانب ہے کہ آزادی،مساوات اور انصاف کی طرح، جمہوریت بھی ایک ایسا لفظ ہے جس کی متعین تعریف بہت مشکل ہے۔یہ چند افسانوی خیالات کا مرقع ہے جو کسی محور اور ہدف سے آزاد ہیں:

Democracy...like liberty , equality and justice...is hard to define ...it is a symbol that stands for certain myths, independent of objective content..(19)

جمہوریت کی اس الجھن پر تبصرہ کرتے ہوئے بجا طور پر کارل بیکر (Carl Becker) کہتا ہے کہ جمہوریت،تصوراتی چھتے بٹے کی ایک ایسی تھیلی ہے جس کی ترتیب اور تنظیم میں تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ، تقریباً سارے سماجی حقائق کو سمویا جاسکتا ہے۔۔۔۔اپنی خواہشات کے مطابق!

رابرٹ ڈال (Robert Dahl) تو اس سے آگے کی بات کرتا ہے:

'اگر کسی اصطلاح کے کوئی متعین معنی نہیں ہیں تو اسکا مطلب ہے کہ وہ اصطلاح بے معنی ہے۔یہی حال جمہوریت کا ہے جو کسی متعین اور مخصوص مفہوم سے محروم ہے،بس ایک عام ہو جانے والا مبہم سا خیال ہے اور کچھ نہیں۔'(۲۰)

گذشتہ کئی سالوں سے جمہوریت مغرب و مشرق میں ایک طرز سیاست اور طرز حکومت کے طور پر اپنائی جانے لگی ہے مگر ہر ملک وقوم میں اس نے مختلف روپ دھارے ہوئے ہیں۔ہر علاقے کی مقامی سیاست کی رنگا رنگی جمہوریت کو ایک نئے ماڈل میں ڈھال لیتی ہے۔کہیں یہ جمہور اور بادشاہ کے درمیان پل کا کام کر رہی ہے تو کہیں اشرافیہ کے چنگل میں قید ہو کے رہ گئی ہے۔یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی سیاسی مفکر اسکی ایک جامع تعریف ترتیب دینے سے قاصر ہے۔

جمہوریت ذریعہ ہے یا منزل؟

کہا جاتا ہے کہ ایک مکمل جمہوریت تمام معاملات،سارے شہریوں کے مشورے سے چلاتی ہے۔یہ شہری کو نہ صرف فیصلوں میں شرکت کا احساس اور اعتماد دیتی ہے، بلکہ ایک حقیقی موقع فراہم کرتی ہے کہ وہ

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

معاملات اور فیصلوں پر فی الواقع ،قابل ذکر حد تک اثر انداز ہوسکیں۔

مائیکل سیٹورٹ(Michael Stewart) اس فلسفے کی عملی تشریح یوں کرتا ہے کہ: ’جب لوگ دعویٰ کریں کہ ان کا ملک ایک جمہوریت ہے تو ہم اس کا مفہوم یہ سمجھیں گے کہ ان کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ملک کے تمام بالغ شہریوں کو اپنی سیاسی طاقت عمل میں لانے کا ممکنہ حد تک برابر موقع ملتا ہے۔‘ (۲۱)

اسی طرح جدید ماہر سیاسیات، ایچ۔ جے۔ لاسکی(Laski) نے بھی افرادمعاشرہ کی آزادی اور اہمیت وعظمت کو روح جمہوریت قرار دیا ہے:

Democracy rests on a belief in the fundamenal dignity and importance of the individual , in the essential equality of human beings, and in the need for freedom.(22)

’جمہوریت کا اصل الاصول فرد کی بنیادی اہمیت اور عظمت کے تصور پر استوار ہے، جس کی جڑیں انسانوں کی آزادی ومساوات میں جاگزیں ہیں۔‘

ان تصورات کو سامنے رکھ کے یہ کہا جا سکتا کہ آج جمہوریت جس طرز سیاست کی علمبردار ہے اسکے بنیادی عناصر ہیں: عوام کی بالادستی ، افراد کے مساوی حقوق، شہری آزادی اور عوامی فلاح و بہبود۔ گویا جمہوریت ایسے طرز حکومت کا نام ہے جو عوام الناس کی منشاء کے ساتھ، ان کی فلاح و بہبود کیلئے اس طرح سے ترتیب دیا جائے کہ تمام شہریوں کی آزادی اور مساوی حقوق کو تحفظ حاصل ہو۔ جمہوریت کی یہ روح اسکی منزل ہے اور خود جمہوریت اس منزل کے حصول کا ذریعہ۔

غیر جانبدار نظر، ان خیالی اور مثالی دعوؤں کا جائزہ لے تو اس نتیجے پہ پہنچنا مشکل نہیں کہ اگر جمہوریت کی منزل یہ ہے تو اسباب کی دنیا میں اس کا حصول بہت مشکل ہے۔ یہ دعویٰ کافی مبالغہ آمیز لگتا ہے اس لیے کہ دنیا کی آبادی کی اکثریت کو اپنی سیاسی طاقت کی خبر نہیں ہے، جن کو شعور ہے ان کے بس میں اس طاقت کا استعمال نہیں۔ عوام کو سیاسی شعور دینا ایک کاردارد ہے کہ تعلیم وخواندگی اکثر انسانی آبادی کو نصیب نہیں۔ تعلیم کے بعد جمہوری عمل کو انتخابات کے ذریعے بروئے کار لانے کے لیے جو وسائل درکار ہوتے ہیں اور افراد معاشرہ میں جن سماجی رویوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ تیسری دنیا کی تین چوتھائی آبادی کو نصیب نہیں۔

جدید ماہرین سیاسیات کا کہنا ہے کہ وہ قوم جو شعوری طور پر، ذہنی، تعلیمی اور نظری اعتبار سے بالغ ہوگی اور معاشی لحاظ سے مساوات اور خوشحالی سے آراستہ ہوگی ، جمہوریت کا گہوارہ بھی صرف وہی بن سکے گی۔ مثال کے طور پر درج ذیل آراء ملاحظہ ہوں:

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

ڈیوڈ ہیلڈ (David Held) لکھتا ہے:

Direct democracy requires relative equality of all participants, a key condition of which is minimal economic and social differentation.(23)

جان برن ہائم (John Burnheim) جمہوریت کی آبیاری کے لیے ضروری شرط یہ بیان کرتا ہے کہ معاشرے کو پہلے اپنے سماجی رویوں میں جمہوری ہونا چاہیے:

The society should be reasonably democratic in its social attitudes.(24)

اسی طرح ایچ جے لاسکی (Laski) کہتا ہے کہ جمہوریت ایک ایسے معاشرے میں نہیں پنپ سکتی جو قحط کی زد میں ہو بلکہ یہ نظام ایسے معاشرے میں پروان چڑھے گی جو تعلیم یافتہ، مناسب حد تک خوشحال ہو (جہاں دولت کی تقسیم میں تفاوت انتہا پر نہ ہو)، جہاں طبقاتی، مذہبی اور فرقہ وارانہ منافرت نہ ہو، اور جہاں تاریخی طور پر جمہوری روایت کا وجود ہو۔ (۲۵)

گویا جمہوریت اپنی مثالی صورت میں ایسے معاشرے میں سامنے آئی گی جہاں ذیل کے عناصر پہلے سے ہم آہنگ ہوں گے:

ا۔انتخاب میں اپنی رائے کا استعمال کرنے والے افراد پڑھے لکھے اور قدرے خوشحال لوگ ہوں، ب۔دولت وثروت کے لحاظ سے ان کے درمیان تفاوت کی خلیج بہت زیادہ وسیع نہ ہو، ج۔مذہبی، طبقاتی اور فرقہ وارانہ مخاصمت سے آزاد ہوں، د۔جمہوریت کی روایت انہیں تاریخ سے وراثت میں ملی ہو، ر۔جہاں کئی ایک غیر سرکاری جماعتیں اور دوسرے سماجی ادارے ہوں، جو جمہوریت کے اصولوں اور عملی تجربات کے ساتھ اس کے طریقۂ کار کو بھی ترقی دے سکیں۔

ذرا غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ آج تک جمہوری نظام کے جو اثرات اور ثمرات بتائے گئے ہیں وہ بھی یہی ہیں۔ گویا جو کچھ جمہوریت کے نتیجے کے طور پر پیدا ہونے کی توقع ہے، وہ جمہوریت کو لانے کے لیے پہلے کسی معاشرے میں بطور شرط درکار ہے۔ اگر کسی معاشرے میں جمہوریت پیدا کرنے کے لیے ایک خاص حد تک جمہوریت کا پہلے سے موجود ہونا لازمی ہے تو یہ ایک اور گرداب ہے۔

جمہوریت طرز حکومت ہے یا طرز زندگی؟

جمہوریت کے ارتقائی سفر کی کہانی سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اپنے اصطلاحی مفہوم میں، آغاز میں جمہوریت محض ایک طرز حکومت (Form Of Government) کا نام تھا۔ قدیم وجدید سیاسی مفکرین نے طرز ہائے حکومت کی قسم ہی کے طور پر، اس کا ذکر کیا ہے۔۔۔۔(اس مقالے کے شروع میں تجزیہ گذر چکا

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

ہے)۔دورِ جدید میں انسانی حقوق اور آزادی و مساوات کے تصورات کی مقبولیت کے ساتھ یہ ایک طرزِ زندگی بن چکا ہے۔حقیقت تو یہ ہے کہ بطور طرزِ حکومت بھی یہ نظام اسی دورِ جدید میں ہی مقبول ہوا ہے جبکہ اس سے پہلے ناپسند کیا جاتا رہا ہے۔جان ڈن (John Dunn) اٹھارویں صدی تک ، جمہوریت کی یہ صورتحال بتاتا ہے:

> Democracy was not yet a faith, not an ideology, not an ethic, it was still a technical term of political science .(26)

اس طرح پال ای کارکورن (Paul E .Corcoran) لکھتا ہے کہ 'گذشتہ پچیس سو سال کے مغربی سیاسی فکر کے تناظر میں دیکھا جائے تو ماضی قریب تک کسی نے یہ نہیں سوچا تھا کہ جمہوریت سیاسی زندگی کی تنظیم کا کوئی اچھا طریقہ ہو سکتی ہے۔'(۲۷)

البتہ دورِ جدید کے مغربی معاشروں کی طرف سے جمہوریت کو بطور طرزِ زندگی ، قبولِ عام کی سند حاصل ہوئی ہے، کچھ خاص آبادی میں کچھ مخصوص شرائط کے ساتھ۔انسانوں کی اکثریتی آبادی اس سے آج بھی محروم ہے۔بیسویں صدی کے آغاز میں جب سوشلسٹ پارٹی نے روس میں انقلاب برپا کیا اور آدھی دنیا کو سرمایہ دارانہ نظام سے متنفر کر دیا تو بہت سی قوموں نے جمہوریت کو ایک ناکام طرزِ حکومت سمجھ کے مسترد کر دیا۔

دوسری طرف یورپ کی وہ قومیں جو جمہوریت کے مغربی ماڈل یعنی لبرل ڈیماکریسی کے پروان چڑھنے کے لیے ضروری شرائط کی حامل تھیں، ان میں یہ طرزِ حکومت ایک طرزِ زندگی کا روپ دھار گیا۔حتیٰ کہ اب اسے وہ تقدس حاصل ہو گیا ہے کہ اسکی بنیادی کمزرویوں کی طرف بھی عموماً نگاہ نہیں جاتی۔گویا اب ایک عالمی مذہب کا مقام حاصل کر چکی ہے، جیسا کہ بعض مفکرین نے لکھا ہے:

> Democracy is the world's new universal religion. (28)

لیکن جب ہم اسے طرزِ زندگی (Life Style) کہتے ہیں تو اس سے مراد زندگی کا ایک عمومی رویہ ہوتا ہے، نا کہ کوئی مکمل ضابطہ حیات جیسا کہ مذکورہ بالا عبارت میں لفظ Religion سے مغالطہ ہوتا ہے۔جمہوریت علامتی طور پر ایک مذہب کہلا سکتی ہے، حقیقی معنوں میں نہیں۔البتہ آج کی دنیا میں جمہوری نکتہ نظر ایک عمومی اور ہر دلعزیز نکتہ نظر بن چکا ہے۔

سولہویں صدی کی نشاۃ ثانیہ نے مغرب کو انسانیت پسندی (Humanism) کی جس ڈگر پہ چلایا تھا اسکا ثمر انفرادیت پسندی، انسانی عظمت اور انسانی قدر کی شناخت کی صورت میں ظاہر ہوا۔لہٰذا جمہوریت

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

کے اثرات دور جدید میں خصوصاً یورپ (پوری دنیا کی آبادی کا بیس فیصد) کے فکر و فلسفہ اور تہذیب و تمدن دونوں پہلوؤں پر ہوئے ہیں۔ان کی ایک سطح انفرادی زندگی اور دوسری سطح اجتماعی زندگی ہے۔افراد کی زندگی کے ساتھ قومی زندگی بھی تبدیل ہوگئی ہے۔

یہ سماجی تبدیلی، سیاسی نقشہ بھی بدل چکی ہے۔لبرل ڈیما کریسی کے تصور نے لوگوں کو اقتدار کا اصل سر چشمہ بنا دیا ہے۔پرانے بادشاہوں کے خدائی اختیار و اقتدار کے سارے خواص اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جمہوریت کی صورت میں عوام الناس اور انکے نمائندوں کے ہاتھوں جلوہ گر ہوتے ہیں۔افراد اور قومیں اس جمہوریت کے طفیل روایت، مذہب اور مسلمہ اخلاق کے اصولوں کو ایک آن میں اپنی مرضی کے مطابق نہ صرف بدل سکتے ہیں بلکہ اسے عین اپنا بنیادی حق سمجھنے لگے ہیں۔

جمہوریت حقیقت ہے یا سراب؟

جمہوری نظام کی حقیقت کا تجزیہ دو پہلوؤں سے کیا جا سکتا ہے۔ایک فکری بنیادوں پر دوسرے اداراتی طریق کار کے حوالوں سے۔جمہوریت کا دوسرا نام عوام کی حاکمیت ہے۔یہ فلسفہ ایک طرف فکری و نظری اعتبار سے کئی حوالوں سے نامکمل اور محل نظر ہے اور دوسری طرف اس تصور کے عملی صورت میں ڈھلنے تک، اس میں کئی انحراف واقع ہو چکے ہوتے ہیں۔

شاید اسی وجہ سے گرائم ڈنکن (Graem Duncan) کہتا ہے:

Democratic Practice throws a dark light on democratic theory.(29)

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر دو الفاظ Rule اور People کے مفاہیم کی تعیین میں الجھاؤ اور پیچیدگی در آتی ہے یعنی یہ کہ لفظ (Rule) کے تحت اقتدار اور حاکمیت کی نوعیت اور حدود و آداب کیا ہوں اور لفظ (People) کے تحت ''عوام'' سے مراد کون ہے؟

حکومت میں عملاً چند لوگ ہو سکتے ہیں جبکہ عوام سے مراد اکثریت ہے، جس کا حکومت کرنا عملاً محال ہے۔پھر یہ کہ حکومت کرنے کے لیے جس دانائی، بصیرت اور قابلیت کی ضرورت ہے وہ اکثریت کی بجائے اقلیت میں پائی جاتی ہے۔اس حوالے سے بھی عوام الناس کا حکومت کرنا ناممکن العمل ٹھہرتا ہے۔

لوگ یا (People) ایسا لفظ ہے جو بظاہر ایک ''کل'' کی نمائندگی کرتا ہے اور اجتماعیت کا مفہوم رکھتا ہے مگر اس کے اجزاء یعنی افراد، ذہنی و جسمانی استعداد کے لحاظ سے، معاشی و سماجی مقام کے حوالے سے، پسند و ناپسند اور ترجیحات کے اعتبار سے، نہ صرف باہم مختلف بلکہ باہم متضاد ہوتے ہیں۔لہذا صلاحیت،

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

مواقع اور ترجیحات کے فقدان کی بنیاد پر ان کا کسی ایسے فیصلے پر پہنچنا, ناممکن ہو جاتا ہے جو سب کے لیے یکساں طور پر مفید، موزوں اور قابل قبول ہو۔

''لوگوں کی حکومت'' میں اکثریت کے اصول(Majority Principle) کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں۔ یعنی جس چیز کو زیادہ افراد قبول کریں، قانون بن جائے گی جبکہ ایک ایسا فیصلہ، جس کی حمایت اقلیت کر رہی ہو اور وہ خواہ کتنی ہی معقولیت پر مبنی ہو، رد کر دیا جائے گا۔ اب یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ انسانوں کی اکثریت اپنے عمومی فیصلوں میں، معقولیت ومنطقیت کی بجائے خواہشات و جذبات کو بنیاد بناتی ہے۔ لہذا اکثریت کے اصول کا ایک نقصان یہ ہوتا ہے کہ فیصلے غلط ہوتے ہیں اور دوسرا یہ کہ اقلیت، اکثریت کے جبر میں آجاتی ہے۔ اگر یہ جمہوریت ہے تو اس کو عوام کی حاکمیت نہیں اکثریت کی حاکمیت (Majority Rule) کہنا ہوگا۔(۳۰)

اس پر مستزاد یہ کہ معیار یہ نہیں رہتا کہ ''کون (اور کیا)'' رائے دے رہا ہے بلکہ یہ ہوتا ہے کہ ''کتنے (اور جیسی بھی)'' رائے دے رہے ہیں۔ اس طرح سارے کا سارا معاملہ (Quality) یا معیار کی بجائے (Quantity) یا مقدار اور تعداد پہ چلا جاتا ہے۔

تاہم اکثریت کا اصول عقلی دلائل کے لحاظ(Logical Basis) یا اخلاقی بنیادوں (Moral Grounds) سے درست نہ بھی ہو تو کسی فیصلہ اور نتیجہ تک پہنچنے میں، یہی طریقۂ کار اپنانا پڑتا ہے۔ خاص طور پر ایسے معاملے میں جہاں لوگوں کی مرضی ہی کو بنیاد بننا ہو! لیکن ایک معاملہ بہت اہم ہے۔ وہ یہ کہ لوگوں یا عوام الناس میں بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ریاستی وحکومتی فیصلوں یا معاملات میں مداخلت سے دلچسپی نہیں رکھتے، اس لئے کہ اس کا انہیں شعور نہیں ہوتا، بہت سوں کا ان فیصلوں سے سروکار نہیں ہوتا۔ کیونکہ کچھ لوگوں کی ترجیحات میں شامل نہیں ہوتا کہ وہ سیاست وحکومت کے کاموں سے وابستہ ہوں، بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو شعور اور دلچسپی رکھنے کے باوجود مجبور ہوتے ہیں کہ انہیں ایسے معاملات میں صحیح طور پر شرکت کرنے کے مواقع اور وسائل میسر نہیں ہوتے۔

لہٰذا ایک تو اکثریت کے اصول کے نفاذ میں مشکلات پیش آتی ہیں اور دوسرا ایسی صورتحال میں جمع ہونے والی رائے کو حقیقی اکثریت کی رائے یا اکثریت کی حقیقی رائے کہنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ گویا طریق کار خود، روح جمہوریت کو کچل کے رکھ دیتا ہے۔(۳۱)

اس میں ظلم یہ ہوتا ہے کہ ایک سیاسی دانشور یا ماہر دستور وقانون کی رائے کو، جو ریاستی وحکومتی

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

معاملات سے زیادہ متعلق، موزوں اور مفید ہو سکتی ہے' ایک ان پڑھ کسان کی رائے کے برابر گنا جاتا ہے جو بعض اوقات اس کے شعور یا اس کی دلچسپی کے لحاظ سے اور بعض اوقات اس کے غیر متعلق اور غیر موزوں ہونے کے لحاظ سے بے فائدہ بلکہ نقصان دہ ہوتی ہے۔

اکثریت کے اصول کا یہ پہلو بھی تجزیہ طلب ہے کہ آیا جمہوری طریقے سے حاصل ہونے والی رائے، واقعتاً اکثریت کی رائے ہوتی ہے؟۔۔۔اس کا جواب ہاں میں نہیں دیا جا سکتا۔

جمہوری نظام حکومت کو عمل میں لانے کے لیے انتخاب (Election) کا طریقہ کار اپنایا جاتا ہے۔اس طریق کار کی پیچیدگیوں اور خامیوں سے قطع نظر۔۔۔الیکشن میں رائے دینے کا حق دار صرف رجسٹرڈ ووٹر (Voter) ہو سکتا ہے۔اس طرح آبادی کا ایک حصہ جو''عوام'' میں شامل ہے، مگر جمہوری عمل سے باہر رہتا ہے۔بطور ووٹر رجسٹرڈ ہونے کی شرط بلوغت (یا خاص حد عمر) ہے۔جس کا مطلب ہے عوام الناس میں سے خاص عمر کے افراد اس عمل میں حصہ لیتے ہیں۔پھر جب ووٹ ڈالے جاتے ہیں تو سارے رجسٹرڈ ووٹرز، ووٹ نہیں ڈالتے ، بہت سارے لوگ الگ رہ جاتے ہیں اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آیا ''عوام'' کی اکثریت جمہوری عمل میں حصہ لیتی یا۔۔۔اقلیت شامل ہوتی ہے اور اکثریت دور رہتی ہے؟

گویا اشتراکی مفکرین کا یہ اعتراض صحیح ثابت ہو جاتا ہے کہ:

Liberal political dectrines effectively restrict freedom to a minority of the population.(32)

مزید یہ کہ خود ڈالے گئے ووٹوں کی تعداد کا تجزیہ کیا جائے تو کچھ پہلو ایسے سامنے آتے ہیں کہ اکثریت کا خواب پورا نہیں ہوتا۔مثال کے طور پر:

ا۔ اگر امیدوار دو ہوں اور ان کا فرق ۵۱ اور ۴۹ فیصد کا ہو تو کیا ۵۱ فیصد کو (یعنی صرف ایک کے فرق سے اور وہ بھی درج بالا تشنۂ تکمیل طریق کار کے تحت اکثریت کہا جائے گا؟

ب۔اگر امیدوار دو سے زیادہ ہوں (مثلاً چار) تو بہت دفعہ یہ ہوتا ہے کہ ۱۰۰ میں سے تیس ووٹ لینے والا ''اکثریت'' کا نمائندہ منتخب ہو جاتا ہے جبکہ اس کے خلاف (تین) مختلف امیدواروں کے حق میں ڈالے گئے (فرض کیا: ۲۶، ۲۴، ۲۰) ۷۰ ووٹ ''اقلیت'' قرار پاتے ہیں۔

اس تجزیے سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ عوام کی حکومت کا تصور اور اکثریت کے اصول کا عمل میں آنا بہت حد تک ناممکن ہے۔اس بنیاد پر یہ کہنا درست معلوم ہوتا ہے کہ:

No true democracy has ever existed nor ever will.(33)

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

اس کی وجہ یہ ہے کہ جمہوری نظام کے پنپنے کے لیے کچھ خاص پس منظر اور ماحول درکار ہے جس کی عدم موجودگی میں جمہوری طرز حکومت، ثمر بار نہیں ہوسکتا۔ گویا جمہوریت کوئی ایسا آفاقی اصول اور عالمگیر صداقت نہیں جو ہر جگہ پر درست پایا جائے بلکہ ایک خاص طرح کے حالات اور خام مال کے ذریعے معرض وجود میں آتی ہے اور اسی خاص طرح کے ذرائع سے زندہ رہتی ہے۔

حقیقی جمہوریت کی سب سے پہلی ضرورت ایک ایسی ریاست ہے جو محدود آبادی کی حامل ہو۔ قدیم یونانی آبادیوں میں ایسی ریاستیں ہی جمہوریت کے لیے مثالی قرار پاتی تھیں۔ جہاں سارے شہری ایک وقت میں ایک جگہ جمع ہوکر اپنے اجتماعی معاملات کا فیصلہ، بحث وتمحیص کے بعد کر سکتے تھے۔ یہ الگ بات کہ شہری کی تعریف میں ایک محدود اقلیت ہی شامل ہوتی تھی بلکہ بچے، غلام اور نصف آبادی یعنی خواتین اس پورے عمل سے الگ رکھے جاتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقی جمہوریت کے لئے یونانی ریاستوں کو مثالی قرار دینا تاریخی طور پر غلط ہوگا تاہم انہیں ابتدائی تجربہ گاہ کہا جاسکتا ہے مگر یہ حقیقت پیشِ نظر رہے کہ ایسی تجربہ گاہیں دنیا کے کئی ایک علاقوں میں اس دور میں موجود تھیں۔

دورِ جدید کی بڑی ریاستیں جہاں ایک ایک شہر، یونان کی ریاستوں سے کہیں زیادہ آبادی رکھتا ہے، کیسے ممکن ہے کہ اصل جمہوریت راہ پا سکے۔ روسو (Rosseau) نے اسی بنیاد پر، جدید دور میں حقیقی جمہوریت کے وجود سے انکار کیا ہے اور اس کے لیے ایک چھوٹی ریاست کو ضروری قرار دیا ہے۔ (۳۴) دورِ جدید میں اس کا حل یہ نکالا گیا ہے کہ بڑی ریاستوں میں نمائندہ جمہوریت (Indirect Democracy) اپنانے کا تجربہ کیا گیا ہے۔ اس کی کئی صورتیں تخلیق کی گئی ہیں مگر جمہوریت کی روح کو سامنے رکھیں تو اس نظام میں کئی فکری وعملی الجھنیں جنم لیتی ہیں۔

سب سے پہلی بات تو یہ کہ کیا ایک فرد کی جمہوری خودمختاری (Individual Sovereinty) جو آزاد معاشروں میں براہ راست جمہوریت میں شریک ہونے والے شخص کو حاصل ہوتی ہے، قابل انتقال ہے یا نہیں؟ آیا کوئی دوسرا فرد اس کی نمائندگی ذہن ودل اور مافی الضمیر کے لحاظ سے کرسکتا ہے؟۔ قدرتی بات ہے کہ یہ ناممکن نظر آتا ہے جیسا کہ روسو (Rosseau) کہتا ہے:

Sovereignty can not be represented.(35)

اس کا مطلب یہ ہے کہ دورِ جدید کی نمائندہ جمہوریت، دراصل بنیادی جمہوری فکر اور فلسفے سے انحراف کے مترادف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیاسی مفکرین اس نمائندہ جمہوریت کو اصل جمہوریت قرار دینے میں

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

ہچکچاتے ہیں اور بلکہ اسے جمہوری راہ سے گمراہی سمجھتے ہیں۔مزید برآں یہ کہ اس کے نتیجے میں جو ادارے معرض وجود میں آتے ہیں وہ جمہوریت کی راہ میں ایک رکاوٹ بن جاتے ہیں۔

نمائندہ جمہوریت(Representative Democracy) قائم کرنے کا سب سے بڑا اور بنیادی، واحد ادارہ انتخابات ہیں۔ یہ خود حقیقی جمہوری حکومت کے قیام میں سب سے پہلی اور سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہوتے ہیں۔(۳۶)

وہ یوں کہ موجودہ الیکشن کے نظام میں دولت مند طبقے کے علاوہ کوئی عام آدمی منتخب نہیں ہوسکتا۔جبکہ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ معاشرے میں دولت مند افراد اقلیت میں ہوتے ہیں اور عوام الناس (غرباء) اکثریت میں۔ایسی صورتحال میں منتخب ہونے والے ممبران ایک ایسا ادارہ اور سیاسی طبقہ وجود میں لاتے ہیں جو عوام کا نہیں خواص کا نمائندہ ہوتا ہے اور اس طرح یہ نمائندے، اپنے مخصوص مفادات کے حصول کے لیے کوشاں ہو جاتے ہیں۔ ایسے معاشروں میں صرف سرمایہ داروں کو قوت و حاکمیت حاصل ہوتی ہے اور جمہوریت ان کی اس فوقیت کا ذریعہ بن جاتی ہے۔اس طرح عوام الناس محروم طبقے میں تبدیل ہو کے رہ جاتے ہیں۔

لہٰذا مارکس (Marx) کا یہ تجزیہ درست ثابت ہوتا کہ جمہوریت دراصل بورژوا طبقے اور سرمایہ دارانہ معاشرے کی پیداوار جس نے جاگیرداری کی حاکمیت کو سیاسی اشرافیہ کی حکومت میں بدل دیا ہے۔(۳۷)

پسماندہ ممالک میں ان پڑھ عوام کے لیے یہ طرز حکومت سیاسی لحاظ سے ناممکن العمل اور سماجی الجھنوں کا گورکھ دھندا بن کے رہ گیا ہے کیونکہ سیاسی نظام کے عملی اظہار کے لیے تعلیم وشعور بنیادی ضرورت ہے۔ پھر نمائندگی کرنے والوں اور نمائندوں کو منتخب کرنے والوں کے لیے چونکہ کوئی تعلیمی معیار، مقرر نہیں ہوتا لہٰذا جمہوریت ایک جاہلوں کی حکومت بن کے رہ جاتی ہے ۔ جہالت عام ہونے اور سیاسی مہارت نہ ہونے کی بنیاد پر ایسی حکومت اور عوام دونوں، پیشہ ورانہ مہارت اور منظّم نوکر شاہی کے غلبہ میں آجاتے ہیں۔

حکومت کا ایک اہم فریضہ اور کردار معاشرے میں ہم آہنگی اور یک جہتی پیدا کرنا ہوتا ہے جبکہ انتخابی جمہوریت میں پارٹی سسٹم کی وجہ سے معاشرے میں مختلف طبقات میں منافرت اور ان کے مفادات کا باہمی ٹکراؤ شروع ہو جاتا ہے، نااتفاقی اور طبقاتی سبقت کا رجحان بڑھنے لگتا ہے۔افراد معاشرہ کے درمیان ایک غیر اعلان شدہ کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔اس بنیاد پر جمہوریت کی یہ شکل پورے تمدن کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

یہی وجہ ہے کہ قدیم یونانی سیاسی مفکرین تھیوسی ڈائیڈز(Thucydides)افلاطون(Plato) اور ارسطو(Aristotle)، جو بذات خود یونان میں اس طرح کے اثرات کا براہ راست مشاہدہ کر چکے تھے، اس طرز حکومت کی مخالفت کرتے تھے۔(۳۸) وہ اسے 'ہجوم کی حاکمیت' قرار دیتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ یہ دراصل حکومت کی ناکامی ہے کہ عوام الناس یا رعایا تنگ آکر خود حکومت سنبھال لیں اور ایک نئی طرح کی بدامنی یعنی انارکی(Anarchy) جنم لے۔تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ نہ صرف قدیم یونانی مفکرین سیاسیات بلکہ انیسویں صدی تک کے جدید سیاسی ماہرین 'عوام الناس کی حاکمیت' کے تصور کو قبول کرنے پر تیار نہ تھے۔

مائیکل سٹیورٹ (Michael Stewart) لکھا ہے کہ انیسویں صدی کے وسط تک جمہوریت ایک بدنام لفظ تھا، جو ہجوم کی حکومت کے لئے استعمال ہوتا تھا۔گذشتہ ایک صدی میں اس طرز حکومت نے عام پسندیدگی کا مفہوم اور مقام حاصل کرلیا ہے۔(۳۹)

اس پہ طرہ یہ کہ جمہوریت کے اصلی مقاصد جن کا تعین، اس کو ترویج دیتے وقت ہوا تھا یا وہ توقعات جو اسے پھیلانے اور عام کرنے کا باعث بن رہی تھیں، ابھی ادھورا خواب ہیں۔تاہم اس نے معاشروں میں انفرادی خواہشات کی حوصلہ افزائی کو ایک قانونی شکل دی ہے، جس سے افراد معاشرہ میں حرص وہوس کی مسابقت نے جنم لیا ہے۔اس صورتحال کو دیکھا جائے تو اشترا کی مفکرین کی یہ بات حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ:

> Democracy is like the 'market place', an institutional mechanism to weed out the weakest and establish those who are most competent in the competitive struggle for votes and power.(40)

اس تجزیے سے ایک اہم بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ جن مقاصد اور آئیڈیلز کو سامنے رکھ کے جدید جمہوریت کو فروغ دیا گیا تھا، دراصل وہ ایسے میکنزم کا منطقی نتیجہ ہو ہی نہیں سکتے تھے۔گویا یہ ان مقاصد کے حصول کا موزوں ذریعہ ہی ثابت نہیں ہوئی۔ڈیما کریسی جو کچھ پیدا کر سکتی تھی وہ کر چکی اور جو کچھ اس کے ذریعے حاصل ہوا ہے وہ ان آئیڈیلز کے ساتھ میل نہیں کھاتا جو عوام کی حکومت کے دلکش نعرے میں مضمر تھے۔لہٰذا انسانی معاشروں کی طرف سے وہ تائید جو جمہوریت کو (Popular) کرتے وقت کی گئی تھی، ایک فکری مغالطہ سے کم نہ تھی۔جمہوریت کی اس دلکشی اور پسندیدگی کی ایک بنیادی وجہ یہ ٹھہری ہے کہ اس نے ایک مخصوص طبقے کی حکومت میں عوام الناس کو بھی کسی حد تک شامل کر لیا ہے۔گویا جمہوریت کے ہوتے ہوئے عوام الناس اس حقیقی مغالطے میں رضا کارانہ گرفتار رہتے ہیں کہ وہ بھی حکومت میں شامل ہیں۔

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

حوالہ جات وحواشی

۱۔ ابن منظور کہتے ہیں: جمهرت القوم: اذا جمعتهم ---،

جمهرت الشئ اذا جمعته۔ لسان العرب (بیروت۔۱۹۵۶ء) :۱۴۹/۴

اسی طرح فیروز آبادی لکھتے ہیں: و جمهره، جمعه و القبر جمع عليه التراب

و لم يطينه۔ القاموس (مصر۔۱۹۵۲ء) :۳۹۳/۱

مرتضیٰ زبیدی کے بقول:و جمهر ، أي الشئ : جمعه ۔

و الجمهور: معظم كل شئ۔تاج العروس (بیروت۔۱۹۹۴ء) :۲۱۵/۱۰

۲۔ لسان العرب:ایضاً

۳۔مثال کے طور پر، یہ لفظ اسی مفہوم میں،الماوردی نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب الأحكام السلطانية میں، امامت (خلافت، اسلامی حکومت) کے انعقاد کی شرائط کے سلسلہ میں استعمال کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

فقالت طائفة لا تنعقد الا بجمهور أهل العقد و الحل من كل بلد۔

احکام السلطانیہ (دارالدعوہ، لاہور) :۶

۴۔لوئیس معلوف،المنجد (بیروت۔۱۹۵۱ء) :۹۹، المعجم الوسیط (بیروت) :۱۳۷، عربی میں 'جمہوری' ایک شراب کا نام بھی ہے۔ یہ نام پڑ جانے کی وجہ جمہوری کے لغوی معنی ہیں۔جیسا کہ ابن منظور فرماتے ہیں:

و قيل له الجمهوري لأن جمهور الناس يستعملونه أي أكثرهم۔ لسان العرب:ایضاً

بطروس البستانی نے لکھا ہے:

الجمهورية مؤنث الجمهوري، و الألفاظ الجمهورية هي المستعملة من

الجمهور۔البستانی، محيط المحيط (بيروت۔ ١٩٧٠ء) :١٢٦

اردو زبان میں جمہوریت کی اصطلاح اٹھارہویں صدی سے مستعمل ہے:اردو دائرہ معارف اسلامی (جامعہ پنجاب، لاہور۔۱۹۷۱ء) :۴۳۰/۷

جیسا کہ دائرۃ المعارف میں ہے:جمهورية: ديمقراطية، و هي ما تكون

بيد أكثر الأهالي۔ دائرۃ المعارف (مصر۔۱۹۶۵ء) :۵۳۴/۱۰

اسی طرح ملاحظہ ہو: بطروس البستانی،محیط المحیط :۱۲۶،

اسی اصطلاحی مفہوم کے ساتھ ڈاکٹر حسن صعب نے جمہوریت کی یہ تعریف کی ہے:

و اذا كان الحكم لأكثرية الشعب كان المنتظم جمهوريا أو ديموقراطيا۔

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

حسن صعب،علم السیاسۃ (بیروت۔۱۹۶۶ء) :۵۷،

اسی طرح لوئیس معلوف کے مطابق ایسی سوسائٹی یا ریاست جمہوریت کہلا سکتی ہے

جس کی حکومت کا انتخاب توارث کی بنیاد پر نہیں بلکہ عوام الناس کی اکثریت کی

مرضی پر ہو۔۔۔وہ لکھتے ہیں:الأمة أو الدولة يعين زعيمها لوقت محدد لا بالتوارث بل بانتخاب جمهور الأمة۔المنجد،ایضاً

5- David Held, Models of Democracy (Cambridge-1987) ,p:1,2

تقابل کے دیکھیے، الموسوعۃ العربیۃ میں ہے:

ديمقراطية : كلمة مركبة أصلا من كلمتين يونانيتين، ديموس، أي الشعب، كراتوس، أي الحكم۔

الموسوعةالعربيّه الميسّرة (قاهره۔۱۹۶۰ء) :۸۳۷

Also see: James Macgregor,Jack Walter, Government by the People (New York-1953) p:33,34

۶۔ جیسا کہ ارنسٹ بارکر (Ernest Barker) کیتھ گراہم (Keith Graham) کی یاددہانی ہمارے سامنے ہے:

Political thought begins with the Greeks. Barker, Greek Political Theory,P:30-32

Democracy, We must remember, was the name of a type of political regime first durably established in the Greek City-State of Athens by the aristocrat Kleisthenesin 508/707Bc.

Keith, The Battle of Democracy, P:1

7- For the meaning of word { Demarchy} see:

Brian Martin, Democracy without Election, Social Anarchism (1995-96) Number: 21, pp: 18-5

۸۔ ولیم وان موئر بکے (۱۲۱۵۔۱۲۸۶ء) تیرھویں صدی کا نہایت اہم محقق اور مترجم ہے۔ یونان میں کورنتھ کا یہ بشپ، مشہور عیسائی مفکر تھامس اکیوناس کے حلقۂ ارادت میں تھا اور اسی کی فرمائش پر یونانی فلاسفہ، خصوصاً ارسطو کی کتب کے ترجمے کیے۔

9- Aristotle, Politics (trans:Benjamin Jowett (New York-1943) Book :3, Ch:7, p:139

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

De Wulf, M. (1912).

William of Moerbeke. The Catholic Encyclopedia.

10- John Dunn, Democracy-The unfinished Journey (Oxford University Press-1989) p:59

11- Aristotle, Politics,Loc.Cit., George H. Sabine,A History of Political Theory (Japan-1981) p: 110

12- John Dunn,Op.Cit,Loc.Cit. Norberto Bobbio ,Democracy and Dictatorship (Translated by Peter Kennealy, Plity Press-1987) p:140

13,14- http://dictionary.reference.com/browse/republic, retrieved 20 August 2009, Merriam-Webster's Dictionary of

Law, http://dictionary.reference.com/browse/republic, retrieved 20 August 2009

15- http://www.constitution.org, on 04-12-2009

16- http://www.britanica.com, & .oll.libertyfund.org, retrieved on 04 December 2009 http://www.merriam-webster.com/dictionary/republic polity. (2009).Retrieved December 5, 2009,

Also see for Plato's views: Strauss, Leo, 'Plato' History of Political Philosophy 3rd ed. University Of Chicago Press: Chicago, p. 34-68 1987.

۱۷۔ابونصر فارابی،آراءاھل المدینۃ الفاضلہ(بیروت۔۱۹۵۹ء) :۱۱۰،

18- Erwin J. Roscenthal, Political Thought In Medieval Islam (Cambridge University Press, 1958) p:136.

Also see: Badger, English.Arabic Lexicon p:223

19- Macgregor and Walter, Ibid. Loc. Cit

20- Carl Becker, Modern Democracy (New York-1941) p:4

Robert Dahl, Democracy And Its Critics (Yale University-1989) p:2

Sartori says:

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

We characteristically live, then,in an age of confused democracy. That'democracy' Obtains several meanings, is something we can live with. But if "democracy"can mean just anything, that is too much.

Giovanni Sartori, The Theory of Democracy Revisited (New Jersy-1987) p:6

21- Modern Forms of Government, p:199

22- H.J.Laski,An Introduction To Politics (london-1934) p:48

23- David Held, Models of Democracy,(Camberidge-1987).p:158

24- John Burheim, Is Democracy Possible? , p: 156

25- H.J.Laski,An Introduction To Politics (london-1934) p: 52

26- Dunn, Democracy, p:59

27, 28- Graem Duncan, Democratic Theory And Practice, (Cambridge University Press - 1983, 1st Edition)p:13

۲۸۔ اس صورتحال میں ہےوڈ(Heywood) کا تجزیہ حقیقت کے قریب ہے:

So broad is respect for democracy that it has come to be taken for granted, its virtues are seldom questioned and its vices rarely exposed.

Andrew Hewood, Poliltical Ideas & Concepts, (London-1998), p: 171

29. Graem Duncan, Democratic Theory And Practice, (Cambridge University Press - 1983, 1st Edition)p:13,

30. Jack Lively, Democracy, (Oxford-1975.) p: 9

31. David Held, Models of Democracy, (Camberidge-1987).p: 122

32. Noberto Bobio, The Future of Democracy, p:16

33. Noberto Bobio, Democracy And Dictatorship (Tr. Peter Kannealy) p:152

34. Even Rosseeu was convinced that a real democracy has never existed because it required, among other conditions, the existence of a small state, in which every citizen could easily get to know all the others.

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

See: Bobio, The Future of Democracy. p: 130

35. Noberto Bobio, Democracy And Dictatorship (Tr. Peter Kannealy) p:152

36. David Held considers it a shameful and mistaken deviation from the original idea of government by the people, for the people and through the pepeople.

See: Models of Democracy, (Camberidge-1987).p: 130

Jack Lively refers to Karl Marx saying that:Parliaments create inacceptabe barriers between the ruled and their representatives. Democracy, (Oxford-1975.) p: 62

37. John Burheim, Is Democracy Possible? , p: 152

38. Duncan writes: They found Athenian democracy, both in theory and in practice, to be vengeful, impolite in war and peace, unstable and mean spirited in its internal affairs.

Democratic Theory And Practice, p: 3

39. Michael Stewart, Modern Forms of Government (London-1959) p: 56

40. John Burheim, Is Democracy Possible? , p: 156

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.